سید ابوالخیر مودودی

اورنگ زیب (عالم گیر پر ایک نظر)

اورنگ زیب کی تاریخ عملاً ہندوستان کی شصت سالہ تاریخ ہے، خود اس کا عہد حکومت (۱۶۰۸ء تا ۱۷۰۷ء) سترھویں صدی کے نصف آخر پر حاوی ہے اور ہمارے ملک کا اہم ترین تاریخی زمانہ ہے۔ یہ اسی بادشاہ کا دورِ مسعود تھا جب کہ حکومت مغلیہ اپنے انتہائی عروج کو پہنچی اور ابتدائے عہد تاریخ سے برطانوی حکومت کے قیام تک کے زمانے میں شاید یہ واحد حکومت ہے، جس نے اتنی وسعت حاصل کی۔ غزنی سے چاٹگام تک اور کشمیر سے کرناٹک تک تمام ملک ایک ہی فرمانروا کے زیرنگیں تھا اور لادک و مالیبار کے دور دراز مقاماتِ پر بھی اسی بادشاہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اسلام کی آخری سب سے بڑی ترقی کا یہی زمانہ تھا۔ اس طرح سے جو حکومت قائم ہوئی تھی، ایک سیاسی وحدت تھی۔ اس کے مختلف قطعات پر ماتحت حکمرانوں کا تسلط نہ تھا، بلکہ بلاواسطہ بادشاہ کے ماتحت تھے اور اس حیثیت سے اورنگ زیب کی ہندوستانی حکومت اشوک، چندر گپت یا ہرشور دہن کی حکومت سے وسیع تر تھی۔ اس وقت کسی صوبے کے گورنر نے سر نہ اٹھایا تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں علم بغاوت بلند کیا گیا لیکن کسی صوبے میں بھی کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جو (بہ قول) جادوناتھ سرکار

شہنشاہ دہلی کے احکام کی سرتابی کرسکتا۔

افغانستان کے شمال میں کوہ ہندو کش اور دریائے جیحوں سے گھرا ہوا ایک علاقہ ہے جو بلخ و بدخشاں کے دو حصوں میں منقسم ہے۔ بلخ شاداب و زرخیز اور بدخشاں سنگلاخ و (غیر آباد) ہے۔

مغل ہمیشہ سے اس کو اپنی آبائی میراث سمجھتے تھے اور بخارا کے استرخان فرمانروا کو غاصب جانتے تھے (عبدالحمید، ج ۱، ص ۲۰۳، ۱۲۴، دوم، ص ۱۵۲، ۱۲)۔ شاہجہان کو بھی اس موروثی علاقے کی فتح کا شوق رہا اور اورنگ زیب کو بھی اپنے زمانہ حکومت میں قندھار اور بلخ و بدخشاں پر تسلط کی فکر رہی۔

شاہجہان نے مراد کو ایرانی امیر علی مردان خان کے ساتھ بلخ و بدخشاں کی فتح کے لیے روانہ کیا، اس کے ساتھ پچاس ہزار سپاہیوں کا لشکر تھا، وہ بہت جلد اور بے مزاحمت بلخ تک پہنچ گیا۔ لیکن تھوڑے ہی دن یہاں رہا تھا کہ اس غیر مانوس فضا سے گھبرا گیا باپ کو لکھا کہ میں یہاں رہنا نہیں چاہتا اور بغیر حکم کے وہاں سے چل کھڑا ہوا۔

آخر شاہجہان نے اورنگ زیب کو بلخ و بدخشاں کا صوبے دار مقرر کیا (۱۰۵۷ھ) اور وہ افغانستان کی طرف روانہ ہوا۔

مراد کی واپسی کے بعد بدخشاں کے ترکمانی قبائلی، بلخ کے اوزبک، عبدالعزیز فرمانروائے بخارا اور اس کے بھائیوں قتلق محمد (وغیرہ) نے مغل سرداروں کو خوب پریشان کیا۔ سارا ملک مغلوں کے خون کا پیاسا تھا، اور مغلوں کا تسلط ان کے لیے ایک قومی و ملکی سوال

بن گیا تھا۔ [illegible]

اورنگ زیب کے ساتھ فوج کم تھی، مشکل میں بائیس ہزار ازبکوں نے اس علاقے میں اس کے داخل ہوتے ہی مزاحمت شروع کر دی، قدم قدم پر مقابلہ (جنگ) ہوا۔ لیکن اورنگ زیب اپنے استقلال اور تدبر سے قلیل فوج رکاب میں ہونے کے باوجود مہم کا میاب ہوتا بلخ تک پہنچ گیا۔ پھر مفسدوں کی سرکوبی کی غرض سے اطراف و نواح میں نکلا، پلٹائی پہنچ کر معلوم ہوا کہ قتلق اور بیگ اوغلی اور دوسرے ازبک اور سبحان قلی ایک انبوہ کے ساتھ اس کی جانب یورش کر رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ یہ لوگ شہر بلخ میں فتنہ و فساد برپا کریں گے۔

دشمنوں کا یہ انبوہ اورنگ زیب کے عقب میں پہنچ گیا، اورنگ زیب پلٹائی سے واپس ہوا۔ فیض آباد کے قریب دشمن کی فوج بہت قوی ہو گئی، یہاں عبدالعزیز فرمانروائے بخارا بھی اس انبوہ سے مل گیا۔ ان لوگوں نے اپنے انبوہ کو چار ٹکڑیوں میں تقسیم کیا اور مختلف سمتوں سے حملے کی ٹھانی، موقع نازک تھا لیکن فتح اس کے حصے میں آئی جو عین معرکہ کارزار میں اپنے رب کے حضور سر بسجدہ تھا۔ صاحب مآثر نے لکھا ہے:

"... زمان ورود موکب معلی در بلخ که عبدالعزیز خان مقابله آرائی صف کارزار گردید افواج فراوان از ماوراء النهر پیرامون لشکر فیروزی اثر حلقه زده بجنگ در پیوست۔ در عین گرمئ هنگامه پیکار وقت نماز ظهر رسید، و آنحضرت باوجود التماس امتناع بندہائے ظاہر بین از مرکب خاص فرود آمده صف آرائی بجماعت شده فرض و سنت و نوافل بتعدیل ارکان و کمال حضور و اطمینان ادا کردند، و عبدالعزیز خان بمجرد استماع این خبر شجاعت اثر حیران استقلال مهیبت ...

عنداللہ شدہ طرح جنگ نمود، وبر زبان گزراند کہ باچنیں کسے درافتادن برافتادن است"۔
(مآثر عالمگیری، ص ۱۳۱ـ۵ محمد ساقی مستعد خاں کلکتہ ۱۸۷۱ء تصحیح آغا احمد علی)

یہی وہ دور ہے جب کہ اورنگ زیب اپنی بہادری، شجاعت، استقلال، تدبر اور دور اندیشی سے تخت و تاج کا وارث بنتا ہے اور یہی وہ وقت ہے جب کہ اورنگ زیب کے دامن اوصاف پر غلط الزامات کے داغ پڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن کیا واقعی یہ صرف برادرانہ جنگ تھی؟ کیا حقیقۃً" یہ غیر فطری لڑائیاں تھیں؟ کیا دراصل ان کا مقصد صرف حصول قوت اور تخت و تاج تھا؟ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ سرکاری و دفتری تاریخ تک اپنی نظر محدود نہیں رکھتے، جو میدان جنگ سے باہر توپ و تفنگ کی آواز سے دور اور دربار کے نغمہ و سرود سے الگ رہ کر ملک کے اندرونی حصوں کا، وہاں کے عام باشندوں کا، وہاں کی مذہبی و معاشرتی تحریکوں کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ اورنگ زیب و دارا کی جنگ نہ تھی، یہ شجاع و شاہجہاں کا تصادم نہ تھا، یہ مراد و عالمگیر کی مخالفت نہ تھی بلکہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ تھی۔ ایمان و الحاد کا تصادم تھا اور صحیح شریعت و عامیانہ طریقت کی لڑائی تھی۔ اس جنگ کا مقصد یہ نہ تھا کہ دارا تخت حکومت کا مالک ہو گا یا اورنگ زیب بلکہ اس کی غایت یہ تھی کہ اسلام ایک مرتبہ پھر ہندوستان میں سنبھالا لے گا یا اس الحاد کی جس کی بنا اکبر نے رکھی تھی، مہلک گرفت میں چلا جائے گا۔

اس عہد کی مذہبی و معاشرتی تاریخ کا مطالعہ کرو تو تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس وقت ملک میں کون کون سی قوتیں برسرِ عمل تھیں اور ملک کن حالات سے گزر رہا تھا۔

اشاعت اسلام کا کام صوفیوں نے، جو باہمہ و بے ہمہ کی زندہ مثال، وسیع المشرب، آزاد خیال اور روادار ہوتے تھے، شروع کیا۔ ہندوؤں نے بھی اسی رنگ کو اختیار کر لیا۔ رامانند، گرونانک، سوامی چینیا اسی قسم کے گرو تھے، انھوں نے نہ صرف ویدانتی توحید اور متصوفانہ فنافی اللہ کے اصول کو عام کر دیا بلکہ اپنی برادری میں داخل ہونے کے لیے ہندو مسلمان کی قید بھی اٹھا دی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے معتقدین ہی نہیں بلکہ خلفا میں بھی ہم کو مسلمان نظر آتے ہیں۔ کبیر پنتھی، داؤد پنتھی وغیرہ اس کی بعض زندہ مثالیں ہیں۔ جس وقت ہندو اپنے مذہب کو صوفیانہ رنگ میں رنگ رہے تھے، افغانوں کا زمانہ تھا اور انھوں نے اس ذریعے سے عام مسلمانوں اور نو مسلموں تک کو اتنا متاثر کر دیا تھا کہ خود مسلمانوں میں اس قسم کے خیالات کی برادریاں قائم ہو گئی تھیں۔

ہندو مذہب کی تاریخ ایک مذہب کی بہترین ارتقائی تاریخ ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب اس وقت تک بقاے دوام کا خلعت حاصل نہیں کر سکتا جب تک اس میں اپنے کو زمانے کے حالات و مقتضیات کے موافق بنانے کی صلاحیت نہ ہو۔ آریہ جب ہندوستان آئے تو ان کو فطرت پرست غیر آرین اقوام سے سابقہ پڑا، آریوں کے یہاں اس وقت صرف برہما تھا، مگر اس ملاپ نے ان کے برہما کو تین مظاہر میں منقسم کر دیا، برہما، شیو اور وشنو، برہما اب تک برہما ہی تھا اور برہمن اس کی حمایت میں اب اپنے لیے تمام دینی و دنیوی نعمتوں کو مخصوص و محفوظ بنا رہے تھے۔ اور اسی غصب کی وجہ سے عوام کو مجبور ہو کر اس کے خلاف صداے احتجاج بلند کرنا پڑی۔ یہ احتجاج بدھ اور جین مت کی شکل میں نمودار ہوا۔ قدیم و جدید

مذاہب میں جنگ جاری رہی، اور اگرچہ چھٹی صدی عیسوی تک بدھ و جین مت اپنی سیاسی و عام ہمہ گیری کھو چکے تھے، لیکن عملاً انھوں نے ہندو مذہب میں وہ تبدیلی پیدا کر دی تھی جو عوام کا مقصد تھا۔

(ہندو مذہب کے مبلغین نے مسلمانوں کو جس قدر متاثر کر رکھا تھا اور جس طرح اسلامی تصوف کی ایک عام "ہمہ اوست" شکل کو پیش کر کے اسلام کی توحید و تعلیم پر ضرب کاری لگا دی تھی اور جس طرح وہ خود اسلامی باتیں قبول کرتے جاتے تھے اس کے لیے دیکھو "دبستان مذاہب"، ص ۱۰۵، ۱۹۳ وغیرہ)

دبستان مذاہب نے اس قسم کے اسلامی فرقوں کی ایک فہرست دے کر ان کے حالات لکھے ہیں۔

اورنگ زیب نے حفظ کلام اللہ کی سعادت ۴۲ برس کی عمر میں حاصل کی۔ یعنی اس وقت جب کہ وہ بلا شرکت غیرے شہنشاہ محی الدین عالمگیر ہو چکا تھا۔ عالمگیر نامہ میں ہے:

از جلائل فضائل آں خدیو یزداں پرست توفیق حفظ تمام کلام مجید ربانیست، در عین آوان سلطنت و جہانبانی و زمان اشتغال بامور ملک رانی و کشور ستانی کہ ہیچ یک از سلاطین اسلام و دین پروران پاستانی را این خصیصہ سعادت چہرہ آرائے دولت نگشتہ ...... اگرچہ ہم از مبادی حال و دولت وافیاں برخے از سور کریمہ قرآنی و بسیارے از آیات بینات فرقانی محفوظ خاطر اقدس بود، لیکن حفظ مجموع کلام اللہ ازاں بادشاہ خدا آگاہ بعد جلوس براورنگ حشمت و جاہ اتفاق افتاد ..... در عرض اندک وقتے و مختصر فرصتے مجموع کلام مجید و فرقان حمید

بارعایت مراتب قراءت و شرائط تجوید و ادراک شان نزول آیات بنیات و تفسیر معانی و فہم اسرار و نکات آں بر لوحہ حافظہ اشرف ..... رقم گشت (عالمگیر نامہ، ص ۲-۱۰۹۱)

اورنگ زیب کو جس قسم کی اور جن لوگوں سے حصول تعلیم کا شرف حاصل ہوا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ روشن ضمیر، صاف باطن، پابند صوم و صلوۃ اور پکا مسلمان تھا۔ صاحب مآثر عالمگیری نے لکھا ہے:

باقتضاے سعادات فطری و در مراتب دینی بکمال رسوخ اتصاف داشتند و بمذہب امام اعظم ابو حنیفہ (رضی اللہ عنہ) عامل و بناے خمسہ اسلام را کماینبغی تاسیس و تشییدی نمودند و پیوستہ باوضو و بذکر کلمہ طیبہ و دیگر اذکار و ادعیہ ماثورہ رطب اللسان می بودند، و صلاۃ مفروضہ را اول وقت در مسجد و غیر مسجد باجماعت و جمیع سنن و نوافل و مستحبات را بحضور و خشوع تمام ادامی کردند، درشہور روزہائے بیض و درایام ہفتہ دوشنبہ و پنجشنبہ و جمعہ را صائم بودہ، نماز جمعہ در مسجد جامع بہ کافہ مسلمین و عامہ مومنین می گزارند، و درلیالی متبرکہ باحیاے شب می پرداختند ...... ازغایت حق طلبی شبہا در مقصورہ مسجد دولت خانہ صحبت باہل اللہ می داشتند ...... و زکوۃ شرعی ..... ہر سال بارباب استحقاق می دادند ..... وماہ مبارک رمضان را بصوم می گزرانیدند و در عشرہ اخیرہ در مسجد معتکف می بودند (ص ۵۲۵، ۵۲۶)

اورنگ زیب کو چوں کہ صحیح تعلیم حاصل ہوئی تھی اور اس نے اسلام کی حقیقی روح کو سمجھ لیا تھا، اس لیے شریعت کی پابندی کے ساتھ ہی طریقت کا جو راستہ اس نے اختیار کیا تھا، وہ بھی وہ راستہ تھا، جس کی بنا ہندوستان کے سب سے بڑے مصلح طریقت حضرت

مجدد الف ثانی نے رکھی تھی۔ بعض تذکروں کے بیان کے مطابق اورنگ زیب کو حضرت مجدد کے خلیفہ اور صاحبزادے حضرت محمد معصوم سے شرف بیعت حاصل تھا۔ اس کو احمد آباد کے سید احمد درویش سے بھی عقیدت تھی۔ (رقعات نمبر ۴۴) ایک دوسرے بزرگ حضرت عبداللطیف برہان پوری تھے، اورنگ زیب جب دکن میں صوبہ دار تھا تو اکثر ان کی خدمت حاضر ہوتا تھا۔ وہ مردار دنیا سے کتنی دور بھاگتے تھے، اس کا اندازہ اورنگ زیب کے اس خط سے ہوسکتا ہے:

یاد داریم کہ روزے بخدمت میاں عبداللطیف قدس سرہ الشریف رفتیم و در اثنائے کلام گفتیم کہ اگر اجازت باشد چند دہ از مضافات کہبر کون برائے مصارف خانقاہ مقرر کردہ شود۔ ایں دو مصرعہ بر زبان صدق ترجمان راندند:

شاہ ما راده دہد منت نہد   رازق ما رزق بے منت دہد

گفتیم ہم چنین است، اما تقدیم خدمت فقرا و اہل اللہ برائے خیر و برکت دنیوی و عاقبت خود و حصول دعائے مزید نعمت و دولت است نہ برائے از روئے منت۔ گفتند اگر فی الحقیقت از تصمیم ارادہ باطن نیت خیر است، نصف غلات از حصہ رعایا بگیرند بلکہ مظلومان محنت کش زیادہ ازاں بگزرند و او را دو ظیفہ برائے گوشہ نشینان متوکل کہ زبان سوال بستہ در بیابانہا و زوایائے ویران مسکن دارند، مقرر سازند، و بداد مظلومان نوعے برسند کہ حق کسے تلف نشود و دست اقویاء از حال ضعفاء کوتاہ باشد، افزونی نعمت مشاہدہ نمایند (رقعات عالمگیر، رقعہ نمبر ۲۲)

اس میں کسی کو مجال انکار نہیں ہے کہ عالمگیر اپنے مذہب کا پکا، پابند اور امور

شرعیہ کا محافظ تھا، چنانچہ اس کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد ہی رسوم اکبری و جہاں گیری اور بدعات داراشکوہی و مراد بخشی کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک طرف اگر وہ احکام شرعیہ کے اجرا اور ان پر عمل کرانے کی کوشش کرتا تھا، تو دوسری طرف اپنی انتہائی دوراندیشی اور سیاست دانی سے اپنے حریفوں کو نیچا دکھاتا تھا۔

عالمگیر پر جہاں بھائیوں کے قتل کرانے کا الزام ہے، وہاں اس کے دامن دین داری پر سرمد کے "خون ناحق" کا دھبا بھی مخالفین کی طرف سے ایک "بدنما داغ" بنا کر چمکایا گیا ہے۔ واقعہ کے صحیح ہونے میں کلام نہیں لیکن اسباب و علل پر غور کیے بغیر کسی کو مورد الزام ٹھہرانا انصاف سے بعید ہے۔ اسباب خواہ مذہبی ہوں یا سیاسی مگر اس میں شک نہیں کہ ان میں جس قدر زیادہ غور و تامل کیا جائے گا اسی قدر یہ جرم ہلکا نظر آئے گا۔ مذہب و سیاست میں اپنے حریفوں کے ساتھ ذرا سی رعایت بھی خطرہ جاں ثابت ہوتی ہے۔ اولاً سرمد سے دارا شکوہ کو خاص ارادت تھی، ثانیاً سرمد کی ظاہری حالت (کہ باطن کا علم خدا ہی کو ہو سکتا ہے) خلاف شرع تھی۔ پھر اس کے بعض اقوال سے شریعت غرا کے بعض مسلمہ عقائد پر زد پڑتی تھی، عالمگیر کے لیے بہ وجوہ (یہ باتیں) بہت اہمیت رکھتی تھیں۔

سرمد کے حالات اور واقعہ قتل کی نسبت عاقل خان رازی نے اپنی تاریخ (ص ۸۹۔ ۹۰) میں لکھا ہے، اور اس کے قتل کی وجوہ مآثر الامراء (ج ۱، ص ۲۲۶، ۲۲۷) میں مذکور ہیں۔

عاقل خان ۱۰۹۰ھ (۱۶۸۰ء) سے ۱۱۰۷ھ (۱۶۹۶ء) تک دلی کا صوبے دار تھا۔

صاحب مرآۃ الخیال صوفی مشرب تھا، اکثر صوفیائے کرام مثلاً ابن عربی و امام

غزالی وغیرہ بزرگوں کی تصانیف اس کے پیش نظر رہی ہیں۔ اس کے اہل دل ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ وہ تین بار خواب میں دیدار نبوی سے مشرف ہو چکا ہے۔ اس رویائے صادقہ کی مفصل کیفیت اس نے لکھی ہے۔ وہ شکر اللہ خان فوجدار سرہند کا متوسل تھا، اور اپنے تذکرے میں اس کے فیض صحبت اور عنایات کے بیان میں رطب اللسان ہے۔ احکام عالمگیری (میں آیا ہے) یازدهم آنکه بهر پسران هرگز اعتماد نه کند طور مصاحبت در زندگی ننماید که اگر اعلحضرت با دارا شکوه سلوک نمی کردند، کار باینجا نمی رسید و کلمه الملک عقیم همیشه نظر باید داشت۔

مطلب یہ ہے کہ امور سیاست و مصالح حکومت میں سلطنت اور حکومت و رعیت کے فائدے کو پیش نظر رکھنا چاہیے، نہ کہ بیٹے کی محبت کو اور رشتہ و قرابت کے تعلق کو، یعنی امور سیاست میں باپ بیٹے اور بھائی کا تعلق و رابطہ محبت حائل نہ ہونا چاہیے۔ یہی ایک اصول عالمگیر کے مدنظر تھا جس نے اس کو بھائیوں سے لڑ کر حصول تخت کی جرأت دلائی۔ "الملک عقیم" : سلطنت بانجھ ہوتی ہے۔ کتاب الامثال میدانی (ج ۲، ص ۱۷۷) میں ہے۔

اذا تنازع قوم فی ملک انقطعت بینہم الارحام فلم یبق فیہ والد علی ولدہ فصار کانہ لم یولد لہ، (یعنی جب سلطنت کے بارے میں لوگوں میں تنازع ہو تو اس میں رشتہ داریوں کا خیال اور لحاظ اٹھ جاتا ہے، پھر باپ بھی اپنے بیٹے پر رحم نہیں کرتا، جیسے کہ وہ لاولد ہے)

یہ بین دلیل ہے کہ عالمگیر سلطنت اور سلطان کو کیا سمجھتا تھا۔ملک بانجھ کی مانند ہے جس کا کوئی وارث نہیں ہے اور اس کا ملک حاصل کرنے کے لیے کوئی رشتہ بھی بیچ میں حائل نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مالک وہی ہو سکتا ہے جو سب سے زیادہ قابل اور اہل ہو۔

بختاور خاں کی کتاب مرآۃ العالم کا تاریخی نام "آئینہ تخت" (۱۰۷۸ھ) ہے، اس کی آرایش ہفتم میں اورنگ زیب کی دو سالہ حکومت کے واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔ مصنف نے نمائش اول میں لکھا ہے کہ "میں ہر وقت حاضر خدمت سلطان رہتا ہوں" نمائش دوم، "دو نمود" پر مشتمل ہے۔ نمود اول "در ذکر مشائخ کرام" "و نمود دوم "در ذکر علماے ایں عصر"۔

مرآۃ العالم کو بعض نے شیخ محمد بقا کی تالیف قرار دیا ہے، لیکن یہ درست نہیں۔ شاہنواز خاں نے اپنی کتاب کے دیباچے میں اس کو بختاور خواجہ سرا کی تالیف لکھا ہے، اور خود بختاور خان نے اپنی بعض کتابوں میں اپنی تالیفات کی جو فہرست دی ہے اس میں یہ کتاب موجود ہے۔

صمصام الدولہ شاہنواز خان نے اپنی کتاب مآثر الامراء میں بختاور خان خواجہ سرا کا ذکر (ج ۲، ص ۵۹۷، طبع کلکتہ) کیا ہے۔

ا۔ واقعات عالمگیری، عاقل خان رازی، عالمگیر کے ابتدائی پانچ برس (۱۰۶۸ تا ۱۰۷۳) کی تاریخ

۲۔ آئینہ بخت، بختاور خان، آغاز تالیف سے ۱۰۷۸، اس میں بابر سے شاہجہاں تک کے مختصر حالات اور عہد عالگیری کے ابتدائی دو سالہ حکومت کے مفصل واقعات ہیں۔ بختاور خاں نے سن ۱۰۹۶ میں وفات پائی اور عالمگیر نے اس پر نماز پڑھائی۔

۳۔ مرآۃ العالم، یہ بختاور خاں کی دوسری تالیف ہے۔ منشی احمد علی خاں صاحب کا خیال ہے کہ موئف نے شروع میں جو کتاب لکھی تھی اس کا نام آئینہ بخت رکھا تھا۔ بعد کو اسی کو وسعت دی اور مرآۃ العالم کے نام سے موسوم کیا۔

۴۔ مرآۃ جہاں نما، شیخ محمد بقا (متوفی سن ۱۰۹۴) اس میں عالمگیر کے دو سالہ عہد حکومت کی تاریخ ہے۔

۵۔ زینۃ التواریخ، مولفہ عزیز اللہ، زمانہ تالیف ۱۰۸۶۔ اس کا نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔

۶۔ تنقیح الاخبار، ملا محمد، عہد عالمگیری کی تالیف ہے اور فرخ سیر کے عہد سے ۱۱۲۵ھ تک کی عام تاریخ ہے۔ عہد عالمگیر میں سن ۱۱۰۷ھ سے اس کی تالیف شروع ہوئی۔

۷۔ لب التواریخ ہند، رائے بندرابن سپر رائے بہرامل، اس میں شہاب الدین غوری سے عہد عالمگیر کے ۳۲ویں سال جلوس (۱۱۰۱) تک کے حالات ہیں۔

۸۔ خلاصۃ التواریخ، سجان رائے، ہندوستان کی عام تاریخ ہے اور عالمگیر کے عہد کے چالیس سال یعنی ۱۱۰۷ / ۱۶۹۰ تک کے حالات پر ختم ہوتی ہے اور اسی سال یعنی ۱۱۰۷ میں اختتام کو پہنچی۔ آخر الذکر دونوں کتابیں، دونو مصنفوں نے عالمگیر کے نام معنون کی ہیں۔

۹۔ عالمگیر نامہ: میرزا محمد کاظم بن محمد امین قزوینی۔ اورنگ زیب کے عہد سلطنت کی دس سالہ

تاریخ جس میں ۱۰۶۷ سے ۱۰۷۷ تک کے واقعات مذکور ہیں۔

۱۰۔ واقعات عالمگیری : میر محمد عسکری عاقل خاں رازی۔ اورنگ زیب کے عہد حکومت کے ابتدائی پانچ برس کے واقعات ۔ دارا شکوہ ، شجاع ، مراد اور اورنگ زیب کی باہمی آویزشیں تفصیل سے مذکور ہیں۔ یہ کتاب مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ ظفر نامہ عالمگیری، وقائع عالمگیری، واقعات عالمگیری، لیکن جیسا کہ خافی خان نے لکھا ہے صحیح نام واقعات عالمگیری ہے۔

۱۱۔ مآثر عالمگیری : محمد ساقی مستعد خاں۔ اورنگ زیب کے عہد سلطنت کی چہل سالہ تاریخ۔ گیارھویں سن جلوس (۱۰۷۸) سے عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) تک کے واقعات۔

اورنگ زیب اولیاء اللہ اور علماء و فقرا سے بعقیدت پیش آتا، جب کبھی دکن یا اجمیر کی طرف گیا، حضرت سید محمد گیسو دراز اور حضرت خواجہ معین الدین کے مزاروں پر حاضر ہوا اور ہزار ہا روپے خادمان درگاہ کی نذر کیے۔ اپنے زمانے کے درویشوں میں سے میر عرب کی عظمت اس کے دل میں بہت تھی۔ ایک دفعہ شاہزادہ محمد اعظم کو لکھا : فرزند عالی جاہ ، در احمد آباد میر عرب درویش کا دیدہ اند، البتہ باز بروند و سلام این شرمندہ عقبی و طالب دنیا را ابلاغ نمایند ، و خیر خواہ عواقب امور و سلامت ایمان از دل و جان مسالت کنند ، و بگویند کہ نزدیکی باجل و دوری از حسن عمل، عمر این غافل بے حاصل گزشت ، قدریکہ ماندہ نیز لاحاصل

می رود، قدم حیات پیشتر و فکر نجات پس سر:

آنچہ ما کردیم بر خود ہیچ نابینانہ کرد

درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ را

امور سلطنت میں اس کی نظر کام پر رہتی تھی۔ کارکنوں کے مذہب واعتقاد سے اس کو سروکار نہ تھا۔شاہزادہ محمد اعظم کوایک مکتوب میں لکھتا ہے:

از وقائع صوبہ مالوہ بعرض رسید کہ پہاڑ سنگہ کور باطن کہ از کمال نخوت و پندار مایہ شور و فساد شدہ مصدر ہنگامہ آرای بود از دست تلوک چند پیش دست دیوان آں فرزند ارجمند کشتہ شد ...... فی الحقیقت ظہور ایں امر نتیجہ فیض تربیت آں فرزند ست کہ نوکراں رادل دادہ سرگرم کارہاے عمدہ بادشاہی می کنند، بایں توجیہ کہ تہنیت خالی برزبان نیاید، مالاے مروارید قیمتی پنجاہ ہزار روپیہ براے آں فرزند مرحمت فرمودیم، وچوں ایں ہندو ہمہ مثل راست آوردہ کہ گویا کنجشک مردانہ بازی راز دہ اور را بمنصب پانصدی ذات و صد سوار و خطاب راے دعاے خلعت و شمشیر واسپ سربلندی بخشیدیم ......

شہزادہ محمد معظم کی ماں راجپوت تھی، لیکن بادشاہ نے اس کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت نہ کی۔اس کو اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری کی پوری پوری آزادی تھی۔

وہ اپنے زمانے کے علماو فضلا کی قدرافزائی میں کبھی کوتاہی نہ کرتا۔اپنے ہاتھ سے انھیں خط لکھتا، دربار میں بلاتا: سر دربار ان کی شایان شان منزلت کرتا، اور ان کی شان کے مطابق مناصب مقرر کرتا تھا۔

عربی فارسی میں اس کو اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی، اپنے آبا و اجداد کی زبان بھی خوب جانتا تھا، اور ہندوستان کی کل زبانیں لکھ پڑھ سکتا تھا۔

داراشکوہ کی سیرت، شاہجہان نے دو لفظوں میں بیان کر دی ہے۔

"بابداں نیک و بدبہ نیکاں"